عزت کا راستہ

درحقیقت کسی قوم کی اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے انسانی حقوق کی پامالی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرے اور حق مارنے والوں کے ہاتھ میں کوڑا دیکھ کر دم بخود بیٹھ جائے۔

یہ صورت حال جہاں بھی پیدا ہوتی ہے وہاں آدمیت دم توڑنے لگتی ہے اور اس کی جگہ حیوانیت نشوونما پانے لگتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اس حالت کی بہترین تصویر اس مختصر سے فقرے میں کھینچی گئی ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ج وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ (النمل ۲۷: ۳۴) بادشاہ لوگ جب کسی آبادی میں گھس آتے ہیں تو اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور اس کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہی کچھ ان کے کرتوت ہوا کرتے ہیں۔

جب کوئی قوم خوف اور طمع کی کمزوری میں مبتلا ہو اور عزت کی موت پر ذلت کی زندگی کو ترجیح دینے لگے تو اس پر وہ بلامسلط ہو کر رہتی ہے جو کبھی ملوکیت کی شکل اختیار کرتی ہے اور کبھی آمریت کی۔ پھر وہ آ کر پہلا کام یہ کرتی ہے کہ اس کے اندر شریفانہ اخلاق کی رمق تک باقی نہ رہنے دے اور ہر ممکن طریقے سے اس میں وہ ذلیل سیرت و کردار ابھار دے جو اعلیٰ حضرت کی زبان سے "شب است ایں" کی آواز سنتے ہی "اینک ماہ و پرویں" پکارنے لگے۔ اس کے بعد اس دنائت و سفاہت [کمینہ پن] اور سفلہ پن کے ایسے نمونے سامنے آتے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ خالق نے انھیں احسن تقویم پر پیدا کیا تھا۔ اس میں شریف دبتے اور غنڈے ابھرتے ہیں۔ اس میں بدکرداروں کی بن آتی ہے اور نیکی کردار ایک جنس کاسد بن کر رہ جاتی ہے جس کی کہیں نہ قدر و منزلت ہوتی ہے نہ حوصلہ افزائی۔ اس میں خوشامد، چاپلوسی، ضمیر فروشی، چغل خوری، ابن الوقتی، بے ایمانی، خیانت اور حرام خوری کے اوصاف فروغ پاتے ہیں۔ پوری قوم بکاؤ مال کی ایک منڈی بن کر رہ جاتی ہے جس میں مانگ سے رسد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ زندگی کا ماحول اس قدر سفلہ پرور ہو جاتا ہے کہ خریدنے والا کسی شرم کے بغیر آدم زاد کو خریدتا ہے، بکنے والا کسی حیا کے بغیر بکتا ہے، ہر طرف سے بکنے والوں پر تحسین و تبریک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، اور نہ بکنے والوں کی حماقت پر ماتم کیا جاتا ہے۔ عدالتوں سے انصاف کے بجائے بے انصافی کی توقع کی جاتی ہے اور وہاں سے انصاف مل جائے تو لوگ اسے خلاف توقع سمجھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ خدمت پیشہ لوگ علم اور شعور رکھنے والے انسان ہونے کے باوجود خدمت لینے والوں کے ہاتھ میں اس طرح بے جان

لاٹھیوں کی مانند کام کرنے لگتے ہیں کہ گویا ان کے اندر روح اور ضمیر نامی کوئی چیز برائے نام بھی موجود نہیں ہے۔ مشرق سے مغرب تک ان میں سے کسی کے اندر [کردار] کی یہ طاقت نظر نہیں آتی کہ دیانت کے خلاف، آئین و قانون کے خلاف اور مفاد ملت کے خلاف کوئی خدمت بجا لانے سے صاف انکار کر دے اور اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے۔ بولنے اور لکھنے کی صلاحیتیں خدا نے انسان کو اظہار مافی الضمیر کے لیے دی تھیں، ان کا تعلق ضمیر سے کاٹ دیا جاتا ہے، اور جو کچھ ضمیر میں نہیں ہوتا اس کے اظہار کی خدمت بڑے سستے داموں ان صلاحیتوں سے انجام دی جانے لگتی ہے۔ لوگ دماغ کے بجائے پیٹ سے سوچتے ہیں۔ جذبات دل کی بجائے معدے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایمان اتنا بے قدر ہو جاتا ہے کہ کوئی قیمت بھی اس کے لیے گراں نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اس ماحول میں حاملین دین و شریعت تک اس قدر گر جاتے ہیں کہ ان میں سے بعض خوف کی وجہ سے دینی اقدار کی پامالی کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنے لگتے ہیں اور بعض طمع کی بنا پر خود ان اقدار کے پامال کرنے میں شریک کار بن جاتے ہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کو قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں "فساد" اور "عزت والوں کی ذلت" قرار دیا گیا ہے۔

اس اسفل السافلین میں جو قوم گر جائے، اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اقوام عالم میں کوئی عزت کا مقام پا سکتی ہے، یا اسے مادی ترقی نصیب ہو سکتی ہے، سراسر ایک غلط خیال ہے۔ تاہم اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کے چرواہے اس کی چراگاہ کو جنت ارضی میں تبدیل کر دیں گے، اور اس کی گردن طوق زریں سے آراستہ فرما دیں گے، اور دنیا کی قومیں اسے سر آنکھوں پر بٹھالیں گی تب بھی میں یہ کہوں گا کہ اس قیمت پر جوہر انسانیت اور شرف آدمیت کی قربانی دینا بڑا مہنگا سودا ہے۔ روح کی موت ہی واقع ہو جائے تو بات دوسری ہے ورنہ مادی خوش حالی کا کوئی بڑے سے بڑا لالچ بھی کسی ذی روح کو اس سودے پر راضی نہیں کر سکتا۔

کسی قوم کی تاریخ میں اگر بدقسمتی سے ایسا کوئی دور آ جائے تو فی الواقع وہ بڑے سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ اس حالت کے طاری ہو جانے کے بعد اس کا بدلنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ وہ کبھی بدل نہیں سکتی جب تک اس کو بدلنے کے لیے ایسے لوگ نہ اٹھ کھڑے ہوں جو خوف اور لالچ سے بالاتر ہوں، جنھیں اپنے وقت، اپنی جان، اپنے مال، اپنے ذاتی مفاد اور اپنی آسایشوں کی قربانی دینے میں کوئی تامل نہ ہو، جنھیں نہ خریدا جا سکے اور نہ ڈرایا جا سکے، اور جو اس واضح مقصد کو سامنے رکھ کر ہر خطرہ انگیز کرنے کے لیے تیار ہو جائیں کہ خدا کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے آزاد کرانا ہے اور اپنے ملک میں وہ حالات پیدا کرنے ہیں جن میں خدا کا قانون عدل حقیقتاً اور عملاً سب سے بالا ہو کر رہے۔ اس نازک امتحان کی ساعت میں اگر کسی قوم کے اندر چند آدمی بھی ایسے نہ اٹھیں تو پھر اس کے لیے مقدر یہی ہے کہ بے زبان مویشیوں کا ایک گلہ بن کر رہے اور کوئی چرواہا اسے جس طرح چاہے ہانکتا پھرے۔ بلاشبہ ایمان و ضمیر کی آزمایش کوئی

ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی خود اس کو دعوت دے اور غرور نفس کے ساتھ اس میں کود پڑے۔ حقیقت میں تو یہ ہے ہی خدا سے پناہ مانگنے کے قابل چیز، مگر جب وہ پیش آ جائے تو خدا کے بھروسے پر مضبوطی کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ پھر اس سے بھاگنا ویسا ہی گناہ ہے جیسا میدان جہاد سے بھاگنا۔

اب میں چند کلمات دنیاے اسلام کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پوری اسلامی دنیا کو ایک ہی طرح کے مسائل سے سابقہ درپیش ہے۔ ایک مدت تک مغربی استعمار مسلمان ملکوں پر مسلط رہا۔ اس نے صرف سیاسی حیثیت سے انھیں کچلنے اور معاشی حیثیت سے ان کو غارت کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی تعلیم اور تہذیب سے ان کے دین اور اخلاق کی جڑیں بھی کھوکھلی کر دیں۔ پھر سخت قربانیوں کے بعد جب انھیں باہر کے ظالموں سے نجات ملی، تو بہت سے مسلمان ملکوں پر یہ آفت نازل ہوئی کہ ان کے عوام نے اپنا خون بہا کر جو آزادی غیروں سے حاصل کی تھی اسے اپنے ہی گھر کے چند آدمیوں نے چھین لیا۔ اب حال یہ ہے کہ جہاں جن صاحب کو بھی مسند اقتدار پر براجمان ہونے کا موقع مل گیا ہے وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ "عقل ہے تو ان کے پاس، علم ہے تو ان کے پاس، فلسفی ہیں تو وہ، واضع قانون ہیں تو وہ، دنیا کے حکیم بھی وہی ہیں اور دین کے مرشد و مجتہد بھی وہی، قوم صرف احمقوں پر مشتمل ہے جو اپنے بھلے برے کو ہرگز نہیں سمجھ سکتی۔ اس کی نجات بس اس میں ہے کہ آنکھیں بند کر کے اپنے معاملات ان کے ہاتھ میں چھوڑ دے اور جس ڈگر پر وہ اس کو چلائیں اس پر بے چون و چرا چلتی رہے"۔

یہ برخود غلط لوگ جس ملک پر بھی مسلط ہوئے ہیں، انھوں نے صرف سیاسی اور معاشی اندھیر ہی نہیں مچایا ہے بلکہ دین، اخلاق، تہذیب، قانون، تعلیم، ہر چیز کو ایک بحران عظیم میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر آزادی کے بعد تمام مسلم ممالک میں معروف جمہوری طریقے پر زندگی کا نظام چلتا، تو بہت جلد دنیاے اسلام ایک عظیم متحدہ طاقت بن جاتی۔ کیونکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا دل ایک جیسا ہے، ان کے دماغ ایک ہی طرح سوچتے ہیں اور عمل کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی انحطاط ان پر طاری ہو، عقائد و افکار کے لحاظ سے ان سب میں اسلام ہی کی روح جاری و ساری ہے۔ اس لیے اسلام اہل ایمان کو جس وحدت کے رشتے میں باندھتا ہے اس کو نئے سرے سے قائم کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن یہ منزل صرف اس وجہ سے دور ہو گئی ہے کہ بہت سی مسلمان قوموں کو خارجی استعمار سے نجات پانے کے بعد داخلی استبداد سے سابقہ پیش آ گیا ہے۔ اس مرحلے سے جب تک وہ بخیریت گزر نہ جائیں، وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے معاملات چلانے کے قابل نہیں ہیں۔ خداوند کریم سے دعا کیجیے کہ جس طرح وہ مرحلہ اس نے گزار دیا، اسی طرح یہ مرحلہ بھی گزار دے (۲۶ مارچ ۱۹۶۷ کو رہائی کے بعد لاہور کے شہریوں کی طرف سے دیے گئے استقبالیہ سے خطاب، ماہنامہ تجلی دیوبند، مئی ۱۹۶۷، ص ۳۵-۴۰، تدوین: م - س)۔